محمد حنیف ندوی

ذرّے کے بارہ میں مسلمان مفکرین کی آراء

جسم کسے کہتے ہیں ؟ اس سے متعلق تیرہ مدارسِ فکر ہیں ۔

۱۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے : جسم کے معنی ایسی شئ کے ہیں ۔ جو حرکت، سکون اور اس طرح کے دیگر اعراض کا حامل ہو۔ اور جو اعراض کا حامل نہیں وہ سرے سے جسم ہی نہیں ۔ کیونکہ اعراض جسم ہی میں حلول پذیر ہوتے ہیں ۔

ان لوگوں کی رائے میں جزء لایتجزیٰ بھی حاملِ اعراض ہونے کی وجہ سے جسم بھی ہے اور جوہر بھی اس بنا پر جسم ہے کہ حامل اعراض ہے ۔ یہ ابی الحسین الصالحی کی رائے ہے ۔

ان کا خیال ہے کہ جزء (لایتجزیٰ) اعراض کی تمام نوعیتوں کا حامل ہوسکتا ہے ۔ ان کے نزدیک تالیف (ترکیب) کا اطلاق کسی جز پر اس وقت تک نہیں ہو پاتا جب تک کہ وہ کسی دوسرے جز سے اتصال پذیر نہ ہو۔ ہاں ہم علیحدہ علیحدہ ان کو اجزا تو کہیں گے لیکن لغوی معنوں میں تالیف نہیں کہیں گے۔

اس کی توجیہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ اہل لغت لاشئ سے کسی شئ کو اتصال پذیر نہیں مانتے ۔ تالیف کا تقاضا اُن کے نزدیک اسی وقت پورا ہوتا ہے جب ایک جزء دوسرے جزء کے ساتھ جڑا ہوا یا متصل ہو۔ ورنہ اس کے مقدر کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں کسی دوسرے جزء کو پیدا کردے ۔ ایسی صورت میں یہ دوسرا جزء اس کے ساتھ قیام پذیر تو ہوگا ۔ اتصال پذیر نہیں !

اس صورت حال کو انھوں نے مضغ (کسی شئ کو چبانے) سے تشبیہ دی ہے کہ اگر کوئی شئ دانتوں میں چبانے کے لائق ہے تب تو اسے مضغ کہیں گے ۔ ورنہ اس کے معنی صرف دانتوں کو حرکت دینے کے ہوں گے ۔

۲۔ اس کے برعکس دوسرے لوگوں کا موقف یہ ہے کہ جسم کو اجتماع و تالیف ہی کی صورت

ہی جسم کہہ سکتے ہیں۔ بنابریں جزٔ لایتجزیٰ اسی وقت جسم کہلائے گا جب وہ کسی دوسرے جزٔ کے ساتھ متصل اور جڑا ہوا ہوگا۔ اور اس صورت میں دونوں اتصال پذیر جزٔ جسم سمجھے جائیں گے۔ اور اگر یہ دونوں اجزا اس رشتہ ترکیب و تالیف کو چھوڑ دیں اور الگ الگ ہوجائیں تو دونوں پر جسم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یہ موقف کسی بغدادی متکلم نے اختیار کیا ہے اور غالباً یہ "علیی الصوفی" ہے۔

۳۔ کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جسم ائتلاف پذیر شئی سے تعبیر ہے۔ اور جسم کی کم سے کم صورت یہ ہے کہ وہ دو اجزا سے مرکب ہو۔ اور پھر ترکیب و ائتلاف کی شکل میں بھی ان ہر دو پر علیحدہ علیحدہ جسم کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ اس صورت میں ہوگا۔ جب یہ دونوں اکٹھے ہوں، اور ترکیب کا کسی ایک جزٔ میں ابھر آنا محال ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک جزٔ لون، مزہ، بو اور دیگر اعراض کا حامل ہو۔ لیکن ترکیب ایک جزٔ میں پائی نہیں جائے گی۔

میرا یہ گمان ہے کہ اس کا قائل "اسکافی" ہے۔

ان لوگوں کی یہ بھی رائے ہے کہ یہ کہنا مبنی بر خطا اور محال ہے کہ دو ترکیب پذیر اجزا کے مابین کوئی تیسرا جزٔ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب ایک جزٔ بہ تمامہٖ دوسرے جزٔ کے ساتھ پیوستہ ہوگا تو ان کے مابین تیسرے جزٔ کے لیے گنجائش ہی کب نکلے گی۔ گنجائش صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے، جب دونوں جزٔ ایک ہی جگہ کو گھیریں۔ اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک جزٔ نے اپنے انداز سے زیادہ جگہ گھیری ہے۔ اور اگر اس صورت حال کو جائز مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا اپنے پھیلاؤ کے باوجود ایک مٹھی میں سما سکتی ہے۔ یہی مطلب ہے اس قول کا کہ "کوئی بھی شئی اپنے انداز سے زیادہ کسی جگہ کو نہیں گھیرتی"۔ یہ "ابی بشر بن ابی صالح" اور ان کے ہم نواؤں کا قول ہے۔

۴۔ ابوالہذیل کا کہنا ہے! جسم اس شئی کا نام ہے جو جہاتِ ستہ سے متصف ہو۔ جس کا چپ و راست ہو۔ ظاہر اور باطن ہو۔ اعلیٰ اور اسفل ہو۔ اور جسم کا کم سے کم اطلاق اس شئی پر ہوتا ہے جو شش جہات سے متصف ہو۔ جیسے چپ و راست، ظاہر و باطن اعلیٰ و اسفل۔ اور جزٔ لایتجزیٰ بھی جہاتِ ستہ سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ

حرکت و سکون سے بھی متصف ہو سکتا ہے کسی دوسرے جزء سے بھی رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس کو چھو بھی سکتا ہے اور ساکن بھی رہ سکتا ہے۔ البتہ اس میں رنگ، مزہ، اور بو وغیرہ کا وجود نہیں ہوتا۔ یہ اعراض اس میں اسی وقت پائے جائیں گے جب اس میں شش جہات اُبھر آئیں گی۔ اور جب یہ جسم بن جائے گا۔

۵۔ بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ اگر دو جزء لایتجزی ہوں تو دونوں میں ترکیب و تالیف حلول پذیر ہو سکتی ہے۔ اور ایک یہ کہ تالیف دو مکانوں کو اپنی آغوش میں لے گی۔ یہ "الجبائی" کا خیال ہے۔

۶۔ "معمر" کا قول ہے کہ وہ (یعنی ذرہ) طول و عرض اور عمق سے تعبیر ہے اور کم سے کم جسم وہ ہے جو ہشت پہلو ہو۔ اور یہ ہشت پہلو جب جمع ہوں گے تو اُن میں اعراض خود بخود بتقاضائے طبیعت پیدا ہو جائیں گے اور ہر جزء یا ذرہ اپنے عمل طبعی سے آپ سے آپ محلِ اعراض بن جاتا ہے اس کے خیال میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ایک ذرّہ کو دوسرے ذرّہ کے ساتھ منضم ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو اس سے طول کا تصوّر پیدا ہوتا ہے اور جب دو ذرّے ایک دوسرے سے آمنے سامنے اتصال پذیر ہوتے ہیں۔ تو اس سے سطح کا تصوّر جنم لیتا ہے۔ اور جب چہار پہلو سے متصف ذرہ دوسرے چار پہلو سے متصف ذرّہ کے اوپر جم جاتا ہے تو اس سے عمق کا مفہوم ابھرتا ہے۔ اور یوں گویا دونوں مل کر ہشت پہلو جسم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جس میں عرض، طول اور عمق تینوں جہات پائی جاتی ہیں۔

۷۔ ہشام بن عمرو بن الفوطی کا قول ہے کہ جسم چھتیس اجزاء لایتجزی سے ترکیب پذیر شئی کا نام ہے۔ اس کے نزدیک مادّہ کے چھ ارکان ہیں۔ اور ہر رکن چھ اجزاء لایتجزی سے مرکب ہے۔ لہٰذا سب ملا کر چھتیس ہوتے۔ اس کے ہاں رکن وہی شئی ہے جس کو ابوالہذیل جزء کہتے ہیں۔ اس کی رائے میں اجزاء میں مماست (چھونے) کی صلاحیت پائی نہیں جاتی۔ مماسّت کا تعلق ارکان سے ہے۔ چنانچہ ارکان جو چھ اجزا سے مرکب نہیں۔ ان پر مماست، اور مباینت (علیحدگی) کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مماست اور مباینت کا تعلق صرف ارکان سے ہے۔ اور جب ارکان کا یہ حال ہے تو یہ بالکل جائز ہے کہ ان میں اعراض، مثل رنگ، مزہ، بو، سختی اور نرمی اور برودت وغیرہ پائے جائیں۔

۸۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اہلِ لغت نے جسم کا اطلاق ایسی شئی پر کیا ہے جس میں طول، عرض اور عمق

پایا جائے۔ ان لوگوں نے اجزا کی تعیین نہیں کی۔ اگرچہ اجزا کی تعیین جانی بوجھی ہے۔

۹۔ ہشام بن الحکم کا کہنا ہے کہ جسم کے معنی الشئ موجود کے ہیں۔ چنانچہ جب میں کسی چیز کو جسم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ موجود ہے، شئی ہے اور قائم بالذات ہے۔

۱۰۔ نظام نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جسم طویل، عریض اور عمیق شئی کا نام ہے۔ رہے اجزا تو ان کا استقصا ممکن نہیں۔ کیونکہ تقسیم کا عمل غیر منتہی ہے۔ ہر نصف کا ایک نصف اور ہر جزء کا ایک اور جزء ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے فلاسفہ نے جسم کی تعریف انہی الفاظ میں بیان کی ہے کہ وہ عریض و عمیق حقیقت کا نام ہے۔

۱۱۔ عباد بن سلیمان کا قول ہے کہ جسم جوہر اور اعراض کے اس مجموعہ سے تعبیر ہے جو غیر منفک ہوں۔ اور وہ اعراض جو جسم سے علیحدہ ہو سکیں۔ وہ جسم کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ انھیں غیر جسم کہا جائے گا۔ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ جسم اور مکان ایک شئی کے دو نام ہیں۔ باری تعالیٰ کے بارہ میں اس کی توجیہ یہ تھی کہ وہ جسم نہیں کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو اس پر مکان کا بھی اطلاق ہو سکتا۔ باری تعالیٰ کو جسم نہ قرار دینے میں ایک عذر اس کا یہ تھا کہ اگر وہ جسم ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی تنصیف بھی ممکن ہے۔

۱۲۔ ضرار بن عمرو کی توجیہ یہ ہے کہ جسم اُن اعراض کو کہتے ہیں جو ترتیب پذیر ہوئے، باہم ملے اور متحقق ہوئے اور انھوں نے حلول (کس کا حلول ؟) کی صورت میں جسم کا روپ دھار لیا۔ یہ متحمل اعراض جسم تغیر پذیر ہے جو ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت اختیار کر لیتا ہے۔ اعراض کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس سے اجسام کسی حالت میں بھی تہی نہیں ہوتے۔ جیسے مثلاً زندگی اور موت ہے کہ کوئی بھی جسم زندگی اور موت کی گرفت سے آزاد نہیں۔ اسی طرح مختلف رنگ اور مزے ہیں کہ ہر ہر جسم ان سے دوچار رہے۔ وزن، ثقل اور کم وزن ہونا بھی اسی قبیل سے ہے۔ خشونت۔ نرمی حرارت و برودت، رطوبت و یبوست کسی شئی کا ٹھوس ہونا بھی اعراض کی اس قسم میں داخل ہے کہ جن کے بغیر اجسام پائے نہیں جاتے۔

اعراض کی دوسری قسم جن کو جسم سے الگ فرض کیا جا سکتا ہے اور جن کو جسم کا حصہ یا جزء

قرار نہیں دیا جا سکتا جیسے قدرت، علم، الم، علم اور جہل وغیرہ ہیں۔

اس کے نزدیک اعراض کی ترکیب پذیری کی صورت یہ نہیں کہ پہلے یہ جمع ہوں اور پھر ان سے جسم بنے۔ کیونکہ یہ وجود کا پیراہن اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب مجتمع ہوں۔ ہاں آغاز میں البتہ یہ ممکن ہے۔ اس کے نزدیک یہ تو ہو سکتا ہے کہ اعراض سب کے سب جمع ہوں اور اجسام پائے جائیں۔ لیکن یہ محال ہے کہ اعراض، جُدا ہوں اور اجسام کا وجود ہو۔ کیونکہ افتراق کی اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ رنگ تو موجود ہو مگر رنگ کا ہدف یا جسم ملون نہ پایا جائے۔ یا زندگی تو پائی جائے۔ لیکن خارج میں زندہ جسم موجود نہ ہو۔ اس پر اگر تم اس سے پوچھ بیٹھو کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اعراض اور اجسام میں سرے سے افتراق فرض ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جواب اس کے نزدیک کبھی تو یہ ہوگا کہ افتراق اعراض سے مراد اجسام کا فنا ہونا ہے۔ اور کبھی یہ ہوگا کہ افتراق وہاں فرض کیا جا سکتا ہے۔ جہاں اعراض کا تعلق دو مختلف جسموں سے ہے۔ لیکن ایک ہی جسم کے بعض حصّے کبھی کسی شئ موجود سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔

ضرار بن عمرو کے نقطۂ نظر سے جسم کے کسی بعض حصّے کے فنا ہو جانے کے بعد بھی اس پر جسم کا اطلاق ہو سکتا ہے، بشرطیکہ فنا پذیر حصّہ کی جگہ کو اس کی ضد پُر کر دے۔ اور اگر ضد نہ پائی جائے تو پھر اس حصّہ کے فنا ہو جانے سے جسم کا بھی فنا کے گھاٹ اتر جانا ضروری ہے۔ اس کی رائے میں اس فنا پذیر حصّہ کو بہر حال نصف یا اس سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ جسم کا اطلاق اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کا اکثر حصّہ موجود ہے۔ چنانچہ اگر جسم کا اکثر حصّہ باقی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جسم ہونے کی علامت موجود ہے۔ اور اگر جسم کا غالب حصّہ فنا ہو جائے تو اس کے اقل حصّہ پر جسم کا اطلاق نہیں ہوگا۔

اس کی رائے میں یہ صورت حال بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم کے بعض حصّہ کو فنا کر دے، اور اس کی جگہ اس کی ضد لے آئے درآں حالیکہ یہ کل اپنے حدوث پذیر بعض کے ساتھ برابر حرکت کناں رہے۔ جسم کے ساکن ہونے پر بھی یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا بعض حصّہ تلف ہو جائے۔ اور اس کی جگہ اس کی ضد پُر کر دے۔ اس کے نقطۂ نظر سے حرکت جسم کے اعراض پر وارد نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ایسا ہونا محال ہے، بلکہ اس جسم پر وارد ہوتی ہے جو مجموعہ اعراض ہے۔

۱۳- سلیمان بن جریر کی رائے میں استطاعت بھی اسی طرح جسم کا حصّہ ہے جس طرح کہ رنگ اور مزہ وغیرہ حصّہ ہیں - یہ سب اعراض جسم ہی کے ساتھ پیوستہ ہیں ۔

(نوٹ) جزولا تجزیٰ کا اشکال دراصل قوت واہمہ کا پیدا کردہ ہے، جو یہ چاہتا ہے کہ مادہ تقسیم و تجزیہ کے عمل کو غیر نہایت تک برداشت کرتا چلا جائے اور زینو کے تصور حرکت کی طرح تقسیم و تجزیہ کا کوئی موڑ ایسا نہ آنے پائے جس کو ہم آخری کہہ سکیں - موجودہ طبیعیات نے اس اشکال کو حل کر دیا ہے تقسیم مادّہ کے بارہ میں جدید ترین تصوّر یہ ہے کہ تقسیم کا ایک خاص حد تک عمل دخل رہتا ہے - اس کے بعد اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو یہ بے پناہ قوّت میں بدل جاتا ہے - اس حقیقت کو اس مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ کسی مادّی مظہر کو اگر ایک شہر فرض کریں - اس میں جو ہزاروں لاکھوں مکانات ہوں گے - ان کو مول کیول (Molecules) کہیں گے - پھر ان گھروں میں جو ہزاروں کمرے ہوں گے، یہ ایٹم (Atoms) کہلائیں گے - ان کمروں کی تعمیر میں جو اینٹیں صرف ہوئی ہیں، اُنھیں نواۃ ذرّی (Atomic Molec) سے تعبیر کرنا چاہیے - مادہ کے یہ آخری اجزا یا اینٹیں جن سے یہ کمرے بنے ہیں، پھر دو خانوں میں منقسم ہیں - ایک قسم پروٹون (Protons) کہلاتی ہے - اور دوسری نیوٹرون (Neutrons) -

سائنس کی اصطلاح میں یہ دو کھریلیے ہیں جن سے نواۃ ذرّی ترکیب پذیر ہے تقسیم و تجزیہ کا اس مرحلہ پر کوئی ری ایکٹر اگر ہے جو اس نواۃ ذرّی کو توڑ دینے میں کامیاب ہو جائے تو یہ ذرّہ بے پناہ قوت میں بدل جاتا ہے ۔